

# مر جینا

ناول



• PUBLISHED BY

ایک نیا دور کی ادبی تحریک کے تحت شائع کیا گیا ہے



تاریخ آغاز: 31052008

تاریخ اختتام: 31052008

اسکیننگ: ہانیہ (ہم ساہو تو سامنے آ)

مرجینا

از

رفعت سراج

عقیل بن کر میرے لان میں اتر آئیں۔ (مجھ ناچیز کو عقیل کہتے ہیں) مگر مجھ میں، ان میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ذہنی اختلافات کا کوئی شمار نہ تھا۔

مجھے ان سے خاص دلچسپی نہ تھی۔ وہ میرے ماتھے کے بل دیکھ کر بات کرتی تھیں۔ حد سے زیادہ بزدل۔ بہت دنوں تک وہ مجھے محویت سے دیکھا کیں۔ غالباً انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ اتنا پڑھا لکھا معزز انسان ان کا شوہر ہے۔ کیونکہ وہ خود اسکول سے آٹھویں جماعت سے اٹھ گئی تھیں۔ ایک بار خلوتی لحات میں انہوں نے انکشاف کیا تھا آٹھویں میں حساب کا پرچہ وہ گیا تھا۔ وگرنہ میٹرک کرنا کوئی مشکل بات تو نہیں تھی اور میں نے کمال ضبط سے چہرے پر آنے والے ہر رد عمل کو روکا تھا۔ کرنا خدا کا یہ ہوا کہ ان سے مجھے کوئی اولاد نہ مل سکی اور میں نے اسی بات کو دھال بنا کر دوسری شادی کا اعلان کر دیا۔ بیگم مجرم نہ ہوتے ہو بھی مجرم تھیں۔ ہو سکتا ہے روئی ہوں۔ مگر مجھ پر اظہار نہ کیا۔

میرے ایک استاد محترم تھے۔ نہایت قابل بیرسٹر میں نے انہیں کے ماتحت وکالت شروع کی تھی۔ ہم دونوں کے درمیان دوستانہ روابط تھے۔ وہ میرے خیالات سے اور میرے گھریلو حالات سے واقف تھے۔ میں نے ان کے سامنے اپنا فیصلہ رکھا تو اولین انہوں نے مجھے سمجھایا کہ اپنی ان ہی بیگم کو پسندیدہ روپ میں ڈھالنے کی کوشش کروں۔ میں نے انہیں باور کرایا۔ یہ اب مشکل ہے جبکہ میرے ہاں اولاد بھی نہیں ہے۔ اس طور میں دوسری شادی کرنے میں حق بجانب ہوں۔ میرے انداز میں قطعیت تھی۔

## ناول کا آغاز

میں شہر کا مشہور و معروف بیرسٹر ہوں۔ میری شہرت کی دوا ہم وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں کامیاب بیرسٹر ہوں۔ دوسری وجہ شہرت یہ ہے کہ کثیرالازدواج ہوں۔

آپ یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ میں کوئی شوقین آدمی ہوں اور مجھے شادیوں کا بہت شوق رہا ہے۔ جی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ دراصل میں جنم دن سے ہی تین عورتوں کے زرخے میں رہا ہوں۔ ماں کو دیکھ نہیں پایا۔ سنا ہے بھلی عورت تھی۔ بس ماں تو مجھے جنم دے کر حقیقی ٹھکانے سدھاری اور میں تین عورتوں، میرا مطلب ہے تین بہنوں کے زرخے میں آ گیا۔

سب سے چھوٹا تھا۔ تین بہنیں لاڈ اٹھانے میں کسر نہ چھوڑتی تھیں۔ دنیا میں اگر کہیں لاڈ بک رہے ہوتے یا مایہ کرا پرل رہے ہوتے تو مجھے یقین ہے وہ ادھار بھی مانگ لائیں۔ بہر حال انہوں نے ابا جی کے ساتھ مل کر میری تربیت پر بھی بہت محنت کی۔ انہی کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے کہ آج میں ایک معزز آدمی ہوں۔

رہی بیگمات کی بات تو اتنا بتا دوں میری طبیعت میں بیہمی اور برہمی و خود سری بہت ہے۔ والد مرحوم نے میری شادی اپنی بہن کی بیٹی کے ہمراہ کی۔ اس شادی پر میں پہلے ہی معترض تھا کیونکہ پھوپھی زاد ہونے کے ناتے میں انہیں خوب اچھی طرح جانتا پہچانتا تھا۔ بالکل اللہ میاں کی گا بلکہ موم کی ناک۔ جدھر چاہے موڑ دو۔ میں ایک سوشل آدمی تھا۔ بیوی بھی ایسی چاہتا تھا جسے محافل میں میری عزت رکھنا آتی ہو۔ مگر وہی ہوا جو ابا جی نے چاہا۔ انوری بیگم، بیگم

دیکھو عقیل۔۔۔ تمہیں میری جان۔۔۔

بس کیجیے آپا تباہ کر رکھی ہے میری زندگی۔ کوئی ضرورت نہیں قسم وسم دینے کی۔ اب یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ میں انہیں طلاق تو نہیں دے رہا۔ پورے گھر پران کا اختیار ہے۔ ماہانہ ہمیشہ ملے گا۔ پھر تکلیف کس بات کی ہے۔ میں بگڑ کر بولا۔

آپا نے دانشمندانہ انداز میں میرا جائزہ لیا۔ پھر ٹھنٹی سانس چھوڑ دی۔ گویا سپر ڈال دی۔ نکاح میں چند گئے چنے رشتے دار تھے۔ رخصتی دو ماہ بعد تک ملتوی کر دی گئی۔

اب میں نے نئے سرے سے اپنے ملبوسات کا جائزہ لیا۔ بڑے بیاہتمام لباس زیب تن کرتا تھا۔ اس عمر کی سنگت میں تو قبل از وقت بوڑھا ہو چلا تھا۔

دلہن کے ملبوسات کے ساتھ ساتھ میں نے اپنے بھی کئی سوٹ جدید تراش خراش کے تیار کرا۔ طبیعت میں ایک عجیب سی سرشاری رچ بس گئی تھی۔

استاد محترم دو ماہ کے لیے فرینکلن فرٹ گئے تو ان کی ذمہ داریاں بھی میری جان ناتوں پر آ پڑیں۔ اور ایک روز جب تھا ہارا گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ایک صاحب اندر داخل ہو۔ شکل سے اچھے گھرانے کے نظر آتے تھے۔ آتے ہی سلام کیا۔ انتہائی گرمجوشی سے، شاید معاف کرنا چاہتے ہوں۔ مگر میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ اور بیٹے کا اشارہ کیا۔

کہیے جناب کیسے تکلیف کی۔ میں نے کرسی پر ڈٹ کر پیشہ وارانہ اسٹائل میں دریافت کیا۔ پہلے تو یہ فرمایئے۔ آپ ہی عقیل درانی ہیں؟

استاد محترم کافی دیر مجھے غور سے دیکھتے رہے پھر گویا ہو۔

میاں میری ایک بھانجی ہے۔ عمر بہت کم ہے۔ میری بہن کا انتقال اس کی پیدائش کے بعد ہو گیا تھا۔ میرے بہنوئی نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اب صورت حال یہ ہے بچی سخت مشکل میں ہے۔ سارے گھر کا بار اس پر ڈال رکھا ہے۔ اگر میں یا میری والدہ اسے اپنے پاس لانا چاہتے ہیں تو میرے بہنوئی رضا مند نہیں ہیں۔ تمہیں سالوں سے میں جانتا ہوں اور تمہاری شرافت و نجابت کا قائل بھی ہوں۔ روپیہ پیسہ خد نے خوب دیا ہے۔ میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اپنی بیوی کو طلاق مت دو۔ اور اگر چاہو تو میری بھانجی بہت موزوں ہے۔ نہایت ذہین و تیز فہم بیایے تک ہم لوگوں نے زبردستی تعلیم دلائی ہے وگرنہ ان کا ارادہ نہیں تھا اسے پڑھانے کا۔ بہت خاموش طبع اور صلح جو ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ اس کی ماں اسے بغیر دیکھے کہیں اٹھا پھینکے۔ تم موزوں آدمی ہو بلکہ میرے نزدیک موزوں ترین۔

استاد محترم نے بھانجی کی اتنی تعریف کی کہ میرا بس نہ چلتا تھا۔ ابھی دو بول پڑھوا لوں۔ مجھے استاد محترم پر پورا بھروسہ تھا۔ میں نے لڑکی دیکھنے کی ضد نہ کی۔ ان کے بقول تقدیر سے کہیں زیادہ اچھی شکل ہے۔

بڑی بہن میرے نزدیک ہی رہتی تھیں۔ میں نے انہیں باخبر کر دیا۔ وہ ہانپتی کانٹھی آ پہنچیں۔ میری بیوی کے گلے لگ کر رونے لگیں۔ میں ان روتی بسورتی عورتوں کو دیکھا رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر انہیں ہوا کیا ہے۔



جی صاحب، ناچیز کو عقیل درانی کہتے ہیں۔

آپ کا نکاح شیخ نور الزماں کی صاحبزادی عالیہ بیگم سے ہوا ہے؟  
جی ہاں میں نے بہت دلچسپی سے ان محترم کو دیکھا۔

میں ان کا کزن ہوں۔

بڑی خوشی کی بات ہے۔ میری نظریں ان کا طواف کر رہی تھیں۔

اور آپ کا ہمدرد بھی۔ وہ مزید گویا ہو۔

جی میں چونک سا گیا ان کے لہجے پر۔

آپ غالباً پہلی بیوی سے عدم اتفاقی کی بنا پر دوسری شادی کر رہے تھے۔ مگر صاحب آپ ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ غالباً آپ لاعلم ہیں کہ آپ کی منکوحہ کی بائیں ٹانگ میں نقص ہے جس کی بنا پر وہ چال میں توازن نہیں رکھ پاتیں۔ میں ان کا قریبی رشتہ دار ہوں اور آپ دونوں کا ہمدرد۔ چند دن قبل وطن آیا ہوں اور معلوم ہوا کہ آپ جیسے معزز آدمی کو دھوکا دیا گیا ہے۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔

ویسے ثواب کا کام ہے۔ خدا آپ کو اس نیکی کا اجر عظیم عطا کرے۔ تھوڑی دیر بعد وہ حضرت مصافحہ کر کے چلے بھی گئے اور میں گم صم بیٹھا رہ گیا۔ گویا استاد محترم بھانجی کی محبت میں میرا بیڑا غرق کر گئے تھے۔ میں مارے افسوس کے اپنی کرسی پر سے نہ اٹھ سکا۔ جیسے میرا وجود بیجان ہو گیا ہو۔ میری نظروں میں استاد محترم کا شفیق و پروقار چہرہ گھوم رہا تھا۔ خدایا کس پر اعتبار کیا جا؟

کیسے کسی کو پہچانا جا؟ کیا ہے یہ دنیا؟

مگر میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بہت جلد بھڑک اٹھتا ہوں۔ میں نے بھی استاد محترم کو سبق دینے کی ٹھان لی۔

اپنی بیگم کو تمام بات بتادی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا۔ خوش مت ہو جانا۔۔۔ وہ نہیں تو کوئی اور سہی، سارے زمانے کی لڑکیاں تو لنگڑی نہیں۔

میں تو اپنے بیوقوف بنا جانے پر کچھ زیادہ ہی تپ رہا تھا۔ استاد کی قسمت اچھی تھی۔ ان کا کئی دنوں تک فون بھی نہ آیا، وگرنہ اچھی خاصی تلخ کلامی ہو جاتی۔

جمعہ کو ضرورت رشتہ کے کالم کو بہت اہتمام سے پڑھتا تھا۔ ایک اشتہار میرے دل کو چھو گیا۔ خوبصورت و خوب سیرت، اعلیٰ خاندان، امریکہ میں مقیم، عمر تقریباً تیس سال بیرون ملک قیام کی وجہ سے شادی میں تاخیر ہوتی رہی۔ اور جانے کیا کیا لکھا تھا۔ آخر میں تحریر تھا دوسری شادی کے خواہشمند بیواؤں کو بھی رجوع کر سکتے ہیں۔

اور میرے مشتعل و منتقم ذہن نے یہاں قسمت آزمائی کی ٹھان لی۔

میں استاد محترم کی آمد سے قبل یہ کام کر لینا چاہتا تھا۔

لڑکی کے بھائیوں اور ماں سے ملا۔ لڑکی سے ملاقات رہی۔ انتہائی خوبصورت و جامہ زیب۔ میرے ذہن سے انوری بیگم و عالیہ بیگم بالکل مٹ گئیں۔ میں نے سب کچھ انہیں سچ سچ بتا دیا۔ لڑکی کے بھائی میری صاف گوئی سے بیحد متاثر ہوئے۔ میں نے انہیں یقین دلایا میں دوسری

منکوحہ سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ بس ان کے ماموں کا انتظار ہے۔

اور ایک شام روحینہ شکوہ، روحینہ عقیل بن کر میرے گھر آ گئیں۔ خالص حیدر آباد سے متعلق ہیں۔ رخ اور طنطنہ نکاح میں بندھ کر میرے ہمراہ آیا ہے۔ شروع میں ان کے رخ سے میں بڑا پریشان رہا۔

شادی کے اولین دنوں میں انہوں نے کسی وجہ سے مجھے پکارا۔  
بخیل صاحب

اور میں شیو بناتے بناتے تپ کر رہ گیا تھا۔ بخیل صاحب ہونہہ حس مزاح بری چیز نہیں مگر یہ کیا کہ بخیل صاحب ٹھیک ہے زمانہء طالب علمی میں اباجی کے عطا کردہ محدود جیب خرچ کی وجہ سے میں دوستوں کی مدارات سے اجتناب برتتا تھا جس بنا پر وہ مجھے بخیل کہہ دیا کرتے تھے۔ مگر ان کے پاس کیا کمی چھوڑی ہے۔۔۔ آ خر شوہر ہوں۔ وہ بھی ملازموں کے سامنے۔۔۔ بخیل صاحب۔۔۔ حد ہو گئی صاحب

میں بولی کن خیالوں میں گم ہیں بخیل صاحبو اس بار بلند آواز سے بولیں۔

ہت ترے کی۔ میں کھسیا کر رہ گیا تھا۔ اب تو ان سے اور ان کے رخ سے سمجھوتہ ہو چلا ہے۔ روحینہ شکوہ انٹر پاس تھیں۔ بس طرحدار بہت تھیں انگریزی تر عبور رکھتی تھیں۔ مگر بہت کوشش کے باوجود اردو ان کی حیدر آبادی آغوش میں ہی رہتی تھی۔

ٹھیک اس شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد استاد محترم وطن واپس لوٹ آ۔

میری یہ شادی مکمل خاموشی سے ہوئی تھی۔ ابھی باہر اسکی ہوا نہیں لگی تھی۔

میں بہت سرد مہری سے استاد صاحب سے پیش آیا۔ انہوں نے واضح طور پر محسوس کیا۔ ان کا رد عمل ان کے احساسات کا مظہر تھا۔ کافی دیر بعد میں نے کہنا شروع کیا۔

عباد صاحب مجھے کس قدر دکھ ہوا یہ جان کر کہ آپ جیسی معزز ہستی بھی کسی کو دھوکہ دے سکتی ہے۔ اور اب میرے لیے ناقابل برداشت ہے کہ میں آپ کے ہمراہ کام کروا کر چہ مجھے بہت افسوس ہے مگر میں مجبور ہوں۔ مگر تھوڑی سزا آت کا حق بھی ہے۔ میں عالیہ بیگم کے طلاق کے کاغذات تیار کر کے پوسٹ کر دوں گا۔

کیا کہہ رہے ہو۔۔۔ میاں۔۔۔؟ وہ بیاندازہ پریشان ہو گئے۔

میں ایک تعلیم یافتہ بیوی مسلم اعضاء کے ہمراہ چاہتا تھا۔ وگرنہ میری پہلی بیوی عادت کی بری نہیں۔ نہ ہی اپانج ہیں۔ میں نیا آپ پر واضح کر دیا تھا کہ میں دوسری شادی شوقیہ نہیں حالات کے تقاضوں سے مجبور ہو کر کر رہا ہوں۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا۔ میں شادی کر چکا ہوں۔۔۔ اور۔۔۔ عالیہ بیگم۔

کیا کہہ رہے ہو بھئی۔ صاف صاف بات کرو۔ استاد محترم کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ میں طنزیہ مسکرایا۔۔۔ اور کیا صفائی باقی ہے۔۔۔؟

اور عباد صاحب تمام ماجرا سنکر سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئے۔۔۔ ان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

میں بولی۔۔۔ وخیل صاحب خیر خیریت تو ہے نا۔ کوئی بڑا مقدمہ ہے کیا؟ (وکیل صاحب خیریت تو ہے۔ کوئی بڑا مقدمہ ہے کیا؟)  
میں نے سراٹھا کر انہیں دیکھا۔ سبز ریشمی ساڑھی تھی اور خوبصورت تروتازہ چہرے پر تشویش تھی۔

ان کی ناک ہیرے کی لونگ سے بید سج رہی تھی۔ وہ میرے سامنے ایک غمگسار سا تھی کی طرح کھڑی تھیں۔ میری ہمت نہیں پڑتی تھی انہیں حقیقت حال کہنے، بتانے کی۔۔۔ بارحال عیاں تو کرنا تھا۔

وہ میری آنکھوں میں تیرتا پانی دیکھ کر سخت ہراساں ہو گئیں۔  
اصل بات بتائیں۔ میں بڑی پریشان ہو رہی ہوں۔ بول وی؟؟؟ انہوں نے تیکھے پن سے کہا۔

اور میں نے اصل بات بتا ہی دی۔  
اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ ان کے رشتہ داروں کی لگائی آگ ہے۔ آپ کی جگہ پوکوئی ہوتا یہ اچ کرتا۔۔۔ دیونصیبیاں ماری کو طلاخ۔۔۔ فخر کی کیا بات ہے۔ (فکر کی کیا بات ہے)  
روحینہ بیگم عالیہ بیقصور ہے۔ میں نے انہیں احساس دلایا۔

مطلب کیا ہے آپ کا۔ بخصور ہے۔ گھر لے آئیں اسے۔۔۔؟ اچھی طراں سمجھ لیں۔ آپ سے طلاخ دیں گے۔ اللہ ماری میری جان پوکیوں عذاب ہو۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔

میاں، تم جیسے پڑھے لکھے بردبار آدمی سے مجھے اس قدر جذباتیت کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔  
وہ بچی واقعی بد نصیب ہے۔ ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ میاں، کم از کم میرے آنے کا تو انتظار کیا ہوتا۔

اور جو کچھ عباد صاحب نے بتایا سن کر میرا دل بیٹھنے لگا۔  
انہوں نے بتایا کہ وہ نوجوان جو میرے پاس آیا تھا وہ عالیہ کا طلبگار تھا مگر اس کا اٹھنا بیٹھنا غلط لوگوں میں تھا، اس لیے انکار کر دیا گیا تھا۔ یہ اس کی انتقامی کاروائی تھی۔  
لمحے بھر کو تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

اور اس قدر خفت و ذلت اور شرمندگی میں نے محسوس کی کہ خود کو شوٹ کر دینے کو جی چاہا۔  
میں نے استاد محترم کے پاؤں چھو کر معافی مانگنا چاہی تو میری آواز بھرا گئی۔  
مگر عباد صاحب کو ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ تھوری دیر بیٹھنے کے بعد یہ کہہ کر چلے گئے۔  
کاش میرا کوئی بیٹا ہوتا تو شاید یہ بچی اس قدر دکھ نہ اٹھاتی۔

اور اس روز میں صرف آنسو پیتا رہا۔ ایسا لگتا تھا میرے دائیں جانب انوری بیگم ہاتھ اٹھا بد دعاؤں کے انگارے برسا رہی ہیں اور بائیں جانب عالیہ کا آنچل پھیلا ہے اور اس کے آنسو نہیں رکتے۔

گھرا کر میں بہت بیچین رہا۔ روحینہ میرا جاؤہ لیتی رہیں۔ دوسری رات بھی جب انہوں نے یہی منظر دیکھا تو رہا نہ گیا۔

کر لی۔

اور اگلے روز میں سخت منتشر ذہن کے ہمراہ آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔

کہ چپڑا سی نے ایک سفید لفافہ لا کر دیا۔

میں نیالٹ پلٹ کر دیکھا۔ شاید میں عدالت کی مہر دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر لفافے پر صرف میرا نام تحریر تھا۔ چپڑا سی نے بتایا کہ ایک بی بی دے گئی ہیں۔

میں نے ایک تذبذب کے عالم میں لفافہ کھولا۔

بڑی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ تھی۔

وکیل صاحب

السلام علیکم

خدا لا زوال سے آپ کی صحت و عافیت کے لیے دعا گو ہوں۔

اس سے پہلے کہ آپ حیران ہوں تعارف کرادوں اپنا۔ مجھے عالیہ بیگم بنت نور الزماں کہتے

ہیں۔ مورخہ 21 جنوری کو میرا عقد آپ کے ہمراہ ہوا تھا اور اب میں آپ کی منکوحہ ہوں۔

میرے گھر والے آپ پر مقدمہ چلانے کے لیے مصر ہیں۔ میرا دل نہیں مانتا۔ آپ میری

زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد ہیں۔ آپ کے ماضی سے متعلق جان کر بھی مجھے

آپ سے منسوب ہو کر خوشی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ مجھے امید نہیں تھی کہ میرے نصیب آپ جیسا

باقا رانسان لکھا ہے۔ میں نے بچپن سے کچھ ایسا وقت گزارا ہے کہ بیان سے باہر ہے اور آپ

نہیں بابا۔ سیدھے سیدھے طلاخ بولو۔

نہیں ہوگا ہم سے برداشت۔ ہامیری دکھیا جان کن عذابوں میں پرگئی۔

پیچھے سوکن۔۔۔ آگے سوتن۔۔۔

انوں کی بددعا کا اتنا خیال۔۔۔ میری جان جو آپ کی جان روئی گی۔۔۔ خدا کا خیر (قہر) نہ ٹوٹے گا اس گھر پو۔ وہ رونے لگیں۔

صورتحال خاصی سنگین ہوگئی تھی۔

اگلے روز آفس پہنچا تو نئی مصیبت سر پر کھڑی تھی۔ عالیہ کے والد طیش میں کف اڑا رہے تھے۔

عباد صاحب اور مجھ پر مقدمہ کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ اور فی الفور طلاق مانگ رہے

تھے۔ وگرنہ دوسری صورت میں جلدی ہی وہ مجھ پر مقدمہ دائر کرنے والے تھے۔

با آواز بلند کہہ رہے تھے۔ آج ہی پرچی داخل کراتا ہوں میاں۔

میں نے صفائی پیش کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کچھ سننے پر تیار نہ تھے۔

میں نے گھر آ کر روحینہ و انوری بیگم کو تمام بات بتائی۔ انوری بیگم تو مقدمے کا سن کر ہی

رونے لگیں۔ روحینہ الگ خوفزدہ ہو گئیں۔ مگر عالیہ کو بھی کسی طور برداشت کرنے پر راضی نہ

تھیں۔

کیونکہ میں نے شادی کے وقت کچھ نہ چھپایا تھا اس لیے روحینہ بیگم کا تو مجرم نہ تھا۔

اور پھر مجھے ہر لمحے سمن کا انتظار رہنے لگ۔ میں نے حالات کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا



بس کام زیادہ تھا۔ جاؤ۔ تم سو جاؤ اب۔ وہ چلی گئیں۔

میں اپنے کمرے میں آیا تو روحینہ پیشانی شکن آلود کیے ایزی چیئر پر دراز تھیں۔ گھر میں فون ہے۔ فون ہی کر دینا چاہیے۔ ہوتا ہے دل کہ خدا معلوم کیا جات ہے۔

ارے بھئی، معاملہ ذرا الجھا ہوا تھا بس دھیان نہیں رہا۔۔۔

کون سا معاملہ؟ عالیہ بیگم والا۔۔۔؟ انہوں نے گہری نگاہ سے مجھے دیکھا۔

اب کیا کہتے ہیں؟ تیکھے لہجے میں سوال آیا۔

کچھ نہیں۔ میں نے کچھ نہیں کے بعد بہت کچھ کہنا چاہا۔

اور پھر میں نے جو کچھ کہنا چاہا تھا کہہ دیا بہت محبت و عجز سے۔

مگر وہ بھڑک گئیں۔ میں آپ کو کتنا سمجھائی اوں کو فوراً اطلاع دیو۔۔۔ مگر۔۔۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

سمجھ رناں آپ۔۔۔؟

مجھے ان سے اسی جواب کی توقع تھی۔

میں نے ان کے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔ گنہگار میں ہوں۔ خطا کار میں ہوں۔ اگر میں نے طلاق دے دی تو ضمیر کے نیزے پر رہوں گا۔ میری سماجی و معاشرتی زندگی بری طرح متاثر ہوگی بلکہ شاید ہر وقت کے احساس ندامت سے میری دماغ کی رگ پھٹ جاگی۔

تم سب لوگ مجھے جی بر کر سزا دو۔ میں زندگی بھر اس جلد بازی کا تاوان ادا کرتا رہوں گا۔

وہ آنا چاہتی ہے اسے قبول کرلو۔ وہ اور کچھ نہیں مانگ گی۔

پر مقدمہ دائر کرنا گویا طلاق حاصل کرنا ہے۔ اور اب مجھے خوف آتا ہے کہ مطلقہ ہو جانے کے بعد خدا جانے میرا نصیب پھر کن کن آزمائشوں میں پڑتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں اسی شخص کے ہمراہ رہوں جسے میرا دل و ذہن قبول کر چکا ہے۔ اور ظاہر ہے جب میں ایسا نہیں چاہتی تو مقدمے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ میرے یہ خیالات بیشک میرے والدین تک پہنچا دیجیے کیونکہ بہر حال میری حیا اس طرح گفتگو کرنے میں مانع ہے۔ مگر ان سے بھی میں مقدمہ دائر کرنے سے متعلق اختلاف رکھتی ہوں۔ میں نے قلم اٹھانے کی جرات صرف اس لیے کی ہے کہ موسم الم بدلتا نہیں تو پھر اس کی صورت ہی بدل جا۔ آپ کے وجود کے سامنے ہر الم منظور ہے۔

میں آپ کو قصور وار نہیں سمجھتی۔ شاید کوئی اور ہوتا تو اس سے زیادہ کر گزرتا۔ یعنی مجھے طلاق دینے میں لمحہ نہ لگاتا، بہر حال اب جو بھی کچھ ہوا ہے کم تو نہیں ہے۔ بہر حال۔۔۔

ناچیز۔ عالیہ

اور پھر میں۔۔۔ روحینہ بیگم کی طرف سے بالکل غافل ہو کر استاد مکرم کے دولت کدے پر حاضر ہوا۔ ان سے تفصیلات چیت رہی۔ شب ایک بجے تک میں ان کے پاس رہا۔ رات ایک بجے کے بعد جب میں گھر پہنچا تو انوری بیگم پورچ میں کھڑی تھیں۔

آج بہت دیر ہوگئی؟ جیسے ہی میں گاڑی سے اترا انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

ہوں۔ میں نے ان کی جانب دیکھا اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میں نے اس بات کا تذکرہ روحینہ سے کرنا ضروری سمجھا۔  
ہونہہ۔۔۔ مظلوم ہیں سدا کی۔ خرچ کرنا کیا جانیں اب نوٹوں کی بیڑیاں تو بنا کر پہننے سے رہیں۔

انہوں نے سر جھٹک کر حقارت سے کہا۔  
پارٹیز میں زیادہ تر روحینہ ہی میرے ہمراہ ہوتی تھیں کبھی عالیہ کو کہتا بھی تو طرح دے جاتیں۔  
سارے گھر کی ذمہ داریاں اپنے نازک کندھوں پر اٹھالی تھیں۔  
مجھے وہ بات بھی اور باتوں کی طرح نہیں بھولتی جب انوری بیگم بیمار پڑ گئی تھیں۔ تب عالیہ نے کس دلجمعی سے ان کی تیمارداری کی تھی۔ ان کے لیے پرہیزی کھانا بنانا ان کی دوا کا دھیان رکھنا۔۔۔ اور شاید انہوں نے انوری بیگم کی توجہ و محبت حاصل کر لی تھی۔  
حسن اتفاق سے میری سب سے پہلی اولاد عالیہ سے ہے۔ ان دنوں جب وہ ان اہم مہینوں سے گزر رہی تھیں۔ انوری بیگم نے ان کا بیحد دھیان رکھا۔ عالیہ کے کم آگے بڑھ کر کیا کرتی تھیں۔

عالیہ کے چہرے پر چھائی زردی اور ان کے چلنے پھرنے میں تکلیف کا تاثر۔۔۔  
انوری بیگم کی محبتوں میں جھپ جاتا تھا۔ یہ فضا میرے لیے سکون کا باعث تھی۔  
اور اس کے لیے میں عالیہ کا ممنون تھا احسان مند تھا۔  
ان دنوں میں عالیہ کو دیکھتا تو اپنی جلد بازی کے کیے گئے فیصلے پر پچھتا تا رہ جاتا۔

اور پھر مجھ جیسے انا پرست ادبی نے روحینہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے کہ ضمیر کی آوازوں سے میرے اعصاب چٹخ رہے تھے۔ روحینہ عورت تھیں۔ میری آنکھوں کا پانی ان کے دل میں اتر گیا۔

وہ کچھ نہیں بولیں۔ بس میرے سینے سے سرٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ ظلم تو میرے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔ میرے لیے آپ کا ضمیر کیا کہتا ہے؟  
روحینہ میرا تم سے وعدہ ہے کبھی تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔ بلکہ شاید آج سے میرے دل میں تمہارا مقام بلند ہو جا۔

اپنے بھٹیوں کو کیا بولوں گی۔ آپ کیا جواب دیں گے؟  
تو کیا تم میرا ساتھ نہ دو گی۔

وہ خاموش ہو رہیں۔ بس میرے شانے سے لگی سسکیاں بھرتی رہیں۔  
اور پھر عالیہ آ گئیں۔ وہ ضرورت سے زیادہ سمجھدار نکلیں۔ انوری بیگم اور روحینہ سے بصد احترام پیش آتیں۔ ان کی موجودگی میں مجھ سے ان کی بے نیازی کا عجیب عالم ہوتا۔  
روحینہ شکوہ کو میں دو ہزار روپے ماہوار دیتا تھا۔ زمینوں کی آمدنی انوری بیگم کے پاس آتی تھی۔  
عالیہ کو میں نے پہلی مرتبہ دو ہزار روپیہ دیا تو ڈیڑھ ہزار انہوں نے مجھے واپس لوٹا کر کہا۔ سب کچھ تو گھر میں موجود ہوتا ہے۔ گاڑی میں آنا جانا ہوتا ہے۔ وہ بھی کبھی کبھار۔ بس یہ کافی ہیں۔  
موسم کے لحاظ سے کپڑے ہی تو بنانے ہیں۔ وہ بھی بس کتنے۔ ضرورت ہوگی تو لے لوں گی۔

تھیں۔ ان کے تکیے پر گلابوں کے گجرے سجاتی تھیں۔ صبح اٹھ کر ان کے کمرے میں دھوپ لگانے کا اہتمام کرتی تھیں۔ انہیں لان میں بٹھا کر ان سے بات کرتی تھیں۔

میں یہ سب دیکھتا تھا اور عالیہ کے بارے میں بہت کچھ سوچتا تھا۔

اور پھر۔۔ ایک روز میں آفس میں بیٹھائے کیس کی فائل دیکھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی چیخ پڑی۔ میں نے ریسپور اٹھایا۔ فون پر عالیہ تھی۔

عقیل صاحب باجی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

اور میں اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ میں نے اعلیٰ پیمانے پر ان کا علاج کرا کر اگرچہ تاوان کا ایک بڑا حصہ ان کے نام کر چھوڑا تھا مگر وہ تاوان کی حدود سے شاید گزر چکی تھیں۔

جن دنوں انوری بیگم کا انتقال ہوا میرے چاروں بچے کالجوں میں پہنچ چکے تھے۔

عالیہ تمام رسومات میں اس طرح مصروف رہیں جیسے انوری بیگم ان کی حقیقی بہن ہوں۔

میں نے کبھی انہیں ایک دوسرے سے کوئی دکھ کہتے نہیں سنا تھا مگر شاید یہ عورتیں ادراک کے پنکھ تر بیٹھ کر سفر کرتی تھیں۔ دنیا میں شوہروں کو اپنی بیویوں سے بہت سی شکایتیں ہو جاتی تھیں۔

مگر مجھے عالیہ کی کوئی ایسی بات یاد نہیں جو قابل گرفت ہو۔۔۔ عالیہ نے اپنی اچھائیوں سے روز بروز میرے ضمیر کا پھندا تنگ کیا ہے۔ ان کا ہر مرتبہ کا کوئی ایثار میرے قدموں تلے سے تختہ سر کا دیتا ہے اور میں دل پر ہاتھ رکھ کر پہروں سوچتا رہتا ہوں۔

اور جیسے آج ہوا۔۔۔ روحینہ سے میری دو بیٹیاں ہیں روشینہ اور رشنی اور عالیہ سے میرا پہلا بیٹا

جب وہ اس گھر میں آئی تھیں تو بچہ نازک سی تھیں۔ اب ان کا جسم بھاری ہو رہا تھا۔ اس سے ان کی دلکشی میں نہ سمجھ میں۔۔۔ آنے والا اضافہ ہو چلا تھا۔

وہ گذر میں بہت پیتکلف تھیں۔ انہیں کام میں مصروف دیکھ کر احساس تک نہ ہوتا تھا کہ وہ بٹواروں کی ستائی ہوئی ہیں۔

اور ایک روز مجھے بیٹے کی نوید ملی۔ میں بیانہا خوش ہوا تھا۔

انوری بیگم عالیہ کے ہمراہ ہی تھیں۔ میں اور روحینہ اپنا بیٹا دیکھنے گئے۔ روحینہ نے کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ میں نے بڑی چاہ سے اس عظیم مراد کا نام مراد رکھا تھا اور وہ زیادہ تر اپنے بیٹے میں مصروف رہنے لگیں۔

اس کے بعد روحینہ کے ہاں بیٹی ہوئی۔

روحینہ سے میری دو بیٹیاں اور عالیہ سے ایک بیٹا اور بیٹی ہیں۔

میں عالیہ کو دیکھتا ہوں۔ مجھے وہ عورت کی عظمت کا آسمان نظر آتی ہیں۔

میرے بٹواروں میں شاید سب سے بڑا بٹوارہ، سب سے بڑا نیزہ انوری بیگم کے حصے میں آیا تھا۔ جس نے ان کا دل لہو لہو کر دیا تھا۔ اور وہ لہوان کے منہ سے گرنے لگا تھا۔

روحینہ بیگم نے بچوں پر پابندی لگا دی تھی کہ وہ بڑی امی کے پاس نہ جائیں۔

مگر عالیہ وہ لہو اپنے ہاتھوں سے سمیٹتی تھیں۔

ان کی تیمارداری کرتی تھیں۔ ان کا بستر بدلتی تھیں۔ کمرے میں ایئر فریشنر چھڑکنا تک یاد رکھتی

بیاہیں گے یہ تو کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ بھائی میاں آئیں گے تو کہوں گی ان سے۔  
 میں اور روحینہ خاموش بیٹھے رہ گئے۔  
 اور میں اپنی جگہ پتھر سا ہو گیا۔ عالیہ بس کرو، بس کرو۔ اب تو پھندا شہہ رگ کو چھونے لگا ہے۔  
 کتنی خوشی سے کل کہہ رہی تھیں۔  
 میں بہت خوش ہوں۔ کتنے اچھے لوگ ہیں۔ تابندہ ماشاء اللہ بہت قسمت والی ہے۔ اور اب کیا  
 کہہ کر چلی گئی تھیں۔  
 میں روحینہ کے پاس سے اٹھ کر عالیہ کے کمرے میں آیا تو وہ تابندہ کے شانے پر ہاتھ رکھے  
 اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔  
 اور میں بہت کچھ جان گیا۔ صرف عالیہ کی خوشی نہیں تھی بلکہ شاید میری پریوں جیسی بیٹی بھی۔۔۔  
 اور میرا جی چاہا آج سب سے لڑ کر عالیہ کو صرف اور صرف ایک خوشی دے ہی ڈالوں۔ مگر میں  
 جانتا تھا وہ کبھی ایسا نہیں ہونے دیں گی۔  
 اس عورت کو شاید یہ نہیں معلوم اس کے ایثار۔۔۔ خاموشی۔۔۔ اور امن پسندی کے ہاتھ دن  
 رات میری آگہی، میرے ضمیر کے گلے پر رہتے ہیں۔  
 جب بھی میں اندر کے طوفانوں سے گھبرا کر عالیہ سے اپنی زیادتیوں پر پیمیشان ہوتا ہوں تو وہ  
 میرے بالوں میں انگلیاں پھیر کر مسکراتی ہیں۔ بڑی محبت سے کہتی ہیں۔  
 خدا نہ کرے آپ مجرم ہوں۔ گناہگار ہوں۔ ہو جاتی ہیں بعض اوقات غلطیاں۔ اللہ بڑا معاف

اور اس سے چھوٹی تابندہ ہے۔  
 عالیہ کے رشتیداروں میں سے آج تابندہ کا رشتہ آیا تھا۔ عالیہ کو وہ لڑکا بچہ پسند تھا۔ اکثر ذکر کیا  
 کرتی تھیں۔ مگر روحینہ ہمتے سے اکھڑ گئیں۔  
 عخیل صاحب آپ تو باپ ہیں۔ آپ کے لیے تو روشی اور تابندہ برابر ہونا چاہئیں۔ روشی بڑی  
 ہے۔ اس کا حق ہے۔۔۔ کیا ہنشل یا لولی لنگڑی ہے میری بچی؟  
 روحینہ رشتہ تابندہ کا آیا ہے۔ منگنی کر دیتے ہیں۔ شادی ابھی نہیں کریں گے۔ میں نے سمجھایا۔  
 ہوں۔۔۔ اس طرح میری بچی کا مپلیکس میں مبتلا نہ ہو جاگی۔۔۔ کہ۔۔۔ وہ چڑ کو گویا  
 ہوئیں۔  
 عخیل صاحب آپ کا وعدہ تھا آپ کبھی میری خ تلفی نہیں کریں گے۔ میرے بچوں کی خ تلفی  
 بھی میری خ تلفی ہے۔  
 مگر یہ رشتہ عالیہ کے رشتہ داروں کی طرف سے آیا ہے۔ میں نے انہیں سمجھایا۔  
 اس ناتے سے وہ آپ کے بھی رشتہ دار ہیں۔ سب بچے آپ کے ہیں۔ ہم گرہ میں باندھ کر  
 نہیں لاتے۔ بول دی میں۔  
 وہ کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھیں۔  
 اس لمحے عالیہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتی اندر چلی آئیں۔  
 کوئی بات نہیں آ پاٹھیک ہی تو ہے۔ روشی بڑی ہے آخر۔ ہماری بڑی بیٹی ہے۔ پہلے ہم اس کو



چنچ چنچ کر رو یا کریں۔ آخر یہ مرجینا کب تک تنہا میرے سیاہ اعمال کے چوروں کا سدباب کرتی رہے گی۔ کب تک۔۔۔؟

اختتام-----The End

کرنے والا ہے اور میں اپنی چہیتی بیوی کو دیکھ کر رہ جاتا ہوں۔ ظالم۔۔۔۔۔ طعنے بھی تو نہیں دیتی۔۔۔۔۔ برا بھلا بھی تو نہیں کہتی۔

انوری بیگم تم خاموشی کے انگاروں کو میرا زور راہ بنا گئی ہو اور عالیہ۔۔۔۔۔

یہ مجھے علی بابا کی مرجینا نظر آتی ہیں جو میرے اعمال بلکہ سیاہ اعمال کے چالیس چوروں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔۔۔۔۔ اور میرے اعمال کے چور چالیس نہیں ہیں۔ وہ چالیس کو معافی کے خنجر سے فنا کرتی ہیں تو ان سے کہیں زیادہ سیاہ اعمال سرکش اور جان بچا کر بھاگنے والے جوروں کی طرح میرے وجود میں لوٹ مار مچانے لگتے ہیں۔

اور اس سے میں کس قدر نڈھال ہو جاتا ہوں۔

کوئی دیکھے میرے تڑپنے کا منظر۔۔۔۔۔ جیسے مجھ پر سکرات کا لمحہ آن پہنچا ہو۔

اور جب یہ اندر کی لوٹ مار مجھے پاگل کر دیتی ہے تب میں دیوانہ وار عالیہ کے کمرے کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہوں۔ سخی زندگی پانے کے لئے۔۔۔۔۔ اس کمرے میں، صرف اس کمرے میں مجھے زندگی ملتی ہے۔ وہ میرا وجود پھولوں کی طرح سمیٹتی ہیں۔ میرا ضمیر جیسے ان کا سب سے چھوٹا لاڈ لالچہ ہے۔ وہ اسے محبت سیّا نکھیں دکا ہتی ہیں۔ گویا کہتی ہوں کیوں ستاتے ہو۔

اور مجھے ایسا لگتا ہے وہ ان کی بات مان جاتا ہے۔ میں گویا موت کے منہ سے واپس آ جاتا ہوں۔ موت اور زندگی کا کھیل جاری ہے۔۔۔۔۔ کاش عالیہ مجھے طعنے دیا کریں حق تلفی پر